مفکرِ ملت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ

جمیل مہدی

مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ان معتنم روزگار شخصیتوں میں سے تھے جن کے بارے میں میرا خیال ہے کہ انھیں نہ دیکھتے تو دنیا کی دوسری مشہور اور تاریخی شخصیتوں کا وجود تخیل افسانوی محسوس ہوا کرتا، وہ دیوبند کے ایسے علمی خاندان اور خانوادے کے فرد تھے جو مسلمانوں کی دینی اور علمی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ان کے دادا مولانا فضل الرحمٰن ان لوگوں میں تھے، جنھوں نے حاجی عابد حسینؒ کی رہنمائی میں دیوبند کے عربی مدرسہ کی بنیاد رکھی تھی جو آگے چل کر دارالعلوم دیوبند کے نام سے ہندوستان کا سب سے بڑا علمی اور دینی مرکز بن گیا اور جس نے آگے چل کر شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا عبیداللہ سندھی، علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ ابراہیم بلیاوی اور مولانا منصور انصاری جیسی نابغہ روزگار ہستیاں پیدا کیں۔

مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کے والد ماجد مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی مشہور صاحب نسبت بزرگ ہونے کے علاوہ فتاوی اور مذہبی احکام پر اتنا عبور رکھتے تھے کہ ان کے دیے ہوئے ہزاروں فتووں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب فتاوی عزیزیہ کے نام سے کئی جلدوں میں شائع ہو چکی ہے اور ابھی تک بھی بڑی تعداد غیر مطبوعہ فتووں کی موجود

حضرت مفتی صاحب کے قلم کے فتاویٰ دار العلوم دیوبند کے رجسٹر فتاویٰ میں محفوظ ہیں۔ فرمایا کرتے تھے "ان پر نشان لگے ہوئے ہیں وہ سب کے سب میرے قلم کے ہیں"، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بھی ان کے فتاویٰ کی نقلیں رجسٹر میں موجود ہیں۔ معرکۃ الآراء بعض فتوے میں نے کفایت المفتی میں بھی دیکھے ہیں، اس سے فتویٰ نویسی میں ان کی ادا کی کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

خطوط نویسی میں حضرت مفتی صاحب یگانہ اور منفرد تھے، جملوں کی بندش، طرز ادا کی ندرت، انداز بیان میں حلاوت ولینت اور اس طرح کی دوسری دل آویز خصوصیات حضرت مرحوم کے خطوط میں ہوتی تھیں۔

حضرت مرحوم حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ اور دیگر اولیاء برحق کا بڑے والہانہ انداز میں تذکرے کیا کرتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب کی زندگی خواہ مذہبی ہو یا سیاسی، تدریسی ہو یا تصنیفی، اخلاقی ہو یا معاشی اور معاشرتی ہر ایک میں ان کے دردِ دل کا پرتو دکھائی پڑتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب مرحوم نے "ندوۃ المصنفین" جیسے عظیم ادارے کی بنیاد اسی بنا پر رکھی اور ساری زندگی اس کے لئے جس طریقے سے وقف کر دی، یہ اسی درونِ قلب کی تڑپ کا نتیجہ ہے ـــــ سچ ہے

وَمَا فَقْدُهٗ وَاللّٰہِ فَقْدٌ لِوَاحِدٍ

وَلٰكِنْ جَنَاحُ الْعِلْمِ مِنْهُ تَكَسَّرَا

مجھے خوشی ہے کہ حضرت مرحوم کی دارین میں کامیاب زندگی کی شہادت کے لئے رسولِ رحمت کا یہ فرمان شاہد عدل ہے" اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلثة الا من صدقة جارية او ولد صالح يدعو له او علم ينتفع به" ـــــ بالخصوص اس حدیث کا آخری جملہ پوری طرح ندوۃ المصنفین کی کارگذاریوں اور اس کے افادات کو حاوی ہے ـــــ اللھم ارحمه رحمة واسعة۔

●●

مفکرِ ملت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ

جمیل مہدی

مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ان مغتنم روزگار شخصیتوں میں سے تھے جن کے بارے میں میرا خیال ہے کہ انھیں نہ دیکھتے تو دنیا کی دوسری مشہور اور تاریخی شخصیتوں کا وجود تخیل افسانوی محسوس ہوا کرتا، وہ دیوبند کے ایسے علمی خاندان اور خانوادے کے فرد تھے جو مسلمانوں کی دینی اور علمی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ان کے دادا مولانا فضل الرحمٰن ان لوگوں میں تھے، جنھوں نے حاجی عابد حسینؒ کی رہنمائی میں دیوبند کے عربی مدرسہ کی بنیاد رکھی تھی جو آگے چل کر دارالعلوم دیوبند کے نام سے ہندوستان کا سب سے بڑا علمی اور دینی مرکز بن گیا اور جس نے آگے چل کر شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا عبیداللہ سندھی، علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ ابراہیم بلیاوی اور مولانا منصور انصاری جیسی نابغۂ روزگار ہستیاں پیدا کیں۔

مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کے والد ماجد مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی مشہور صاحب نسبت بزرگ ہونے کے علاوہ فتاویٰ اور مذہبی احکام پر اتنا عبور رکھتے تھے کہ ان کے لکھے ہوئے ہزاروں فتووں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب فتاویٰ عزیزیہ کے نام سے کئی جلدوں میں شائع ہو چکی ہے اور ابھی تک بھی بڑی تعداد غیر مطبوعہ فتووں کی موجود

ہے۔ ان کے والد ماجد کے بھائی مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی ایک صاحب تصنیف عالم تھ ان کی ذکاوت، دانش اور تدبر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ سلاطین جیسے دماغ ا مشہور حکمار عالم جیسی عقل کے مالک تھے، ان ہی کے حسن انتظام اور ناخن تدبیر نے دیوبند کے مدرسہ عربی کو دارالعلوم کے عظیم الشان ادارے میں تبدیل کیا اور وہ اپنی زندگی کے یوم آخر تک دارالعلوم دیوبند کے منتظم اور نگراں کار بنے رہے

مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کے ایک چچا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جو تحریر و تقریر کے بادشاہ کہے جاتے تھے، وہ عالموں کے مجمع میں بے مثال عالم اور خطیبوں کے مجمع میں بے نظیر اور سحر طراز خطیب نظر آتے، مدتوں خلافت کمیٹی کے ممتاز رہنماؤں اور جمعیۃ العلمائے ہند کے معزز اور قابل احترام لیڈروں میں ان شمار ہوتا رہا، خلافت تحریک کے زمانے اور اس کے بعد کے اہم ترین سیاسی دور میں کتنی ہی کانفرنسیں اور اہم اجتماعات ان کی صدارت میں منعقد ہوئے، آخر میں وہ تحریک پاکستان کے ہم نوا ہو گئے اور پاکستان کے پہلے اور شاید آخری شیخ الاسلام کے بھی عظیم الشان درجہ کے عالم اور دینی پیشوا کی حیثیت سے ان کا انتقال ہوا۔

مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ علامہ انور شاہ کشمیری کے مایۂ ناز شاگردوں میں شمار ہوتے تھے اور ان ذہین اور باصلاحیت طلبار کی صف کے ایک ممتاز رکن تھے جو آگے چل کر علمی، تصنیفی، سیاسی اور دینی خدمات کے لحاظ سے ایک کہکشاں کی صورت اختیار کر گئی، اس صف میں مولانا محمد یوسف بنوری، قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا حامد الانصاری غازی، میرواعظ مولانا یوسف شاہ کشمیری، مولانا عبدالوحید غازی پوری، مولانا منظور نعمانی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی اور درجنوں ایسے ممتاز لوگ شامل تھے جو آگے چل کر دین علم، سیاست اور صحافت کے آسمان پر

چاند سورج بن کر چمکے اور جن کی روشنی سے ایک عالم نے فیض حاصل کیا۔
مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کی ذہانت، ذکاوت اور صلاحیت طالب علمی کے زمانے سے ہی نمایاں طور پر ظاہر ہونے لگی تھی اس لئے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد انھیں دارالعلوم میں ہی معین المدرسین کے عہدہ پر فائز کر دیا گیا، یہ عہدہ اس زمانے میں ایسے ذہین طالب علموں کی تدریسی تربیت کے لئے قائم کیا گیا تھا جو غیر معمولی قابلیت اور صلاحیت کے مالک ثابت ہوتے تھے لیکن اس عہدہ پر کام کرتے ہوئے زیادہ دن نہ ہوئے تھے کہ دارالعلوم دیوبند میں اختلافات کا وہ پہلا دور شروع ہوا جس کے نتیجہ میں صدر مدرس علامہ انور شاہ کشمیری کے ساتھ علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ ابراہیم بلیاوی اور مفتی عزیز الرحمٰن جیسے بے نظیر عالموں اور ماہرین تعلیم و مذہب کو دارالعلوم چھوڑ کر باہر نکلنا پڑا۔ دارالعلوم دیوبند سے سبکدوشی کے بعد علامہ انور شاہ کشمیری گجرات کے ایک قصبہ ڈابھیل میں منتقل ہو گئے جہاں ان کے لائق شاگردوں اور معتقدوں نے ایک مدرسہ کھول کر ان کے فیضان علمی کو جاری رکھنے کا انتظام کیا تھا، علامہ انور شاہ کشمیری کے ساتھ جہاں علامہ شبیر احمد عثمانی، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ جیسے بڑے اور مشہور عالم ڈابھیل گئے وہاں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ بھی اپنے شفیق استاد علامہ کشمیری کی گہری عقیدت اور محبت کی وجہ سے ڈابھیل منتقل ہو گئے اور دراصل یہیں سے ان کی علمی اور سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔

مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کی الوطنی باغیانہ خیالات اور قوم پرستانہ جذبات کا اظہار تو دیوبند کے ان اجتماعات اور جلسوں میں ہونے لگا تھا جو تحریک خلافت اور جمعیۃ العلمائے ہند کے زیر اہتمام آئے دن ہوتے رہتے تھے لیکن ان کے قوم پرستانہ اور سامراج دشمن نظریات میں نکھار ڈابھیل کے قیام کے زمانے میں گاندھی جی

سے ان کی ملاقات کے بعد آیا جس سے انھوں نے ڈابھیل سے کچھ میل دور ڈانڈی کو جانے والی سڑک پر جاکر اس وقت گفتگو کی جبکہ وہ مشہور عالم ڈانڈی مارچ کے قافلے کے ساتھ سڑک سے گذر رہے تھے۔ اس ملاقات کے دوران جب انھوں نے گاندھی جی سے یہ کہا کہ اسلام میں ہوا اور پانی کے ساتھ نمک بھی ایک ایسی چیز ہے جس پر روک یا ٹیکس لگانا مذہب کی رو سے ناجائز ہے تو گاندھی جی حیران رہ گئے اور انھوں نے فرمائش کی کہ اس حکم کی اصل عبارت کو اس کے حوالے کے ساتھ نقل کرکے انھیں دیدیا جائے۔ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ اس ملاقات کے بعد ڈابھیل واپس آئے اور انھوں نے اس حکم کو نقل کرکے گاندھی جی کے پاس بھیج دیا۔ اور گاندھی جی نے نمک تحریک سے متعلق اپنی کئی تحریروں میں اس کا حوالہ بھی دیا۔

اسی دوران مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کے والد ماجد مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ آب وہوا کی ناسازی کے سبب ڈابھیل چھوڑ کر دیوبند چلے گئے تو مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ ڈابھیل مدرسہ کے شعبۂ افتاء کے انچارج مقرر کئے گئے جہاں انھوں نے فتویٰ نویسی کی خدمات بڑی تن دہی، انہماک اور محنت کے ساتھ انجام دینی شروع کیں۔ اسی فتویٰ نویسی کی خدمات کے دوران انھوں نے ایسی جائیدادوں کو نیلام میں خریدنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کو حرام قرار دینے کا فتویٰ جاری کیا جو حریت پسندی اور جنگ آزادی میں حصہ لینے کے جرم میں ضبط کرلی گئی ہوں، اور جنھیں بعد میں نیلام پر اٹھایا گیا ہو۔ بات یہ تھی کہ اس زمانے میں ڈانڈی مارچ تحریک کے سلسلے میں حکومت نے کانگریس کو خلاف قانون قرار دے کر تحریک میں شامل لوگوں کی جائیدادوں کو ضبط کرنے اور نیلام کردینے کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا، اس لئے مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کے اس فتوے کی بڑی دھوم مچی اور ہندوستان کی سبھی زبانوں میں اس کا ترجمہ لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کیا گیا۔ اس فتوے کی پاداش میں مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ سے باز پرس اور پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری

تقال فوجی مدون پیکٹ کا اعلان ہوگیا اور یوں وہ ایک لمبی مدت کے لئے جیل خانے بالکل جانے رہ گئے۔

اس فتوے کے بعد ڈابھیل مدرسہ کی انتظامیہ نے مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی رحکے فتو پر پابندیاں لگانا چاہیں تو انہوں نے اپنے عہدے اور ملازمت سے استعفیٰ دیدیا اور کلکتہ چلے گئے۔ جہاں مولانا ابوالکلام آزاد اور دوسرے قومی رہنماؤں کے ساتھ ان کے قریبی تعلقات ہوگئے۔ ان کی کلکتہ کی سرگرمیوں میں درس قرآن بڑا مقبول ہوا جس میں شہر کے ہر طبقہ کے لوگ جوق درجوق شریک ہونے لگے۔ اس درس قرآن سے متاثر ہو کچھ متمول تاجروں کی مالی امداد سے مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ نے دہلی آکر ادارہ ندوۃ المصنفین کی بنیاد رکھی اور قرول باغ میں اس کا دفتر قائم کرکے اس زمانے کے مشہور علماء و مصنفین پر مشتمل صحیح ایک علمی اکادمی قائم کردی جس کا ترجمان رسالہ برہان بھی جاری کیا گیا۔ دینی، تاریخی اور علمی موضوعات پر ایسی وقیع تصنیفات اور اہم کتابیں اس ادارے کی طرف سے شائع ہوئیں کہ اس کا شمار ملک کے بہت زیادہ باوقار ادارے میں کیا جانے لگا۔

۱۹۴۷ء کے ان فسادات میں جو تقسیم ملک کے وقت شروع ہوئے اور جنھوں نے دہلی سمیت پورے شمالی ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ندوۃ المصنفین کا قرول باغ کا دفتر بھی برباد ہوگیا اور اس کی کتابوں کا ذخیرہ بھی جو کئی لاکھ کی مالیت تک پہونچ چکا تھا، جل کر خاک ہوگیا لیکن مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی نے ہمت نہیں ہاری۔ اور انھوں نے اس صورت میں اس ادارے کو دوبارہ اس کی راکھ سے پیدا کیا کہ ان کے دوستوں اور رفیقوں میں سے ایک آدمی کو بھی اس کی احیاء جدید کا یقین نہیں تھا۔

آزادی کے بعد مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ دہلی کی علمی، دینی، تعلیمی اور سیاسی زندگی کا مرکز بن گئے۔ انھوں نے مسلمانوں کی دینی، تعلیمی اور تمدنی سرگرمیوں کی

رہنمائی کا فرض ایسی شان اور دل آویزی کے ساتھ انجام دیا کہ وہ ایک دوسرے کی مخالف جماعتوں اور متصادم لیڈروں کے درمیان ثالث بالخیر کے نام سے یاد کئے جانے لگے۔ دہلی کے علاوہ پورے ملک کے تقریباً ہر بڑے اور اہم مسلم ادارے کی مجلس انتظامیہ کے ممبر تھے اور ہندوستان بھر میں ان درجنوں اداروں کی میٹنگوں میں شرکت کا وقت نہ جانے کہاں سے نکال لیتے تھے۔ ان کے علاوہ اخلاق، صلح کن طبیعت، درد مندانہ مزاج، ہر اجنبی اور شناسا شخص کی تالیف قلب کے رویے نے ان کی شخصیت کو ایسی عظمت ایسی مقبولیت، محبوبیت اور ہر دلعزیزی کی بلندیوں تک پہونچا دیا تھا کہ بڑے بڑے قد آور لوگوں کے مجمع میں وہ سر بلند نظر آتے اور جو ان سے ملتا ان کا گرویدہ ہو جاتا۔ ان کے طرز فکر میں پرانے صوفیوں کی صلح جوئی، ان کے طرز عمل میں جلیل القدر عالموں کی شان اور ان کے ذہن و دماغ میں پرانے دانش وروں اور مدبروں کی جو خصوصیت پائی جاتی تھی اس نے انھیں اپنے عہد کی بے نظیر شخصیت بنا دیا تھا۔ ان کی وفات بلا شبہ پورے ہندوستان کا ایک ایسا علمی اور تہذیبی نقصان ہے جس کی تلافی کی کوئی شکل ممکن نہیں۔

(بشکریہ آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ)

دعا کی درخواست

جناب جمیل مہدی صاحب ایڈیٹر رسالہ برہان کی شدید و سخت علالت سے میں بہت پریشان ہوں۔ غالباً ایسا قلم لکھنے والا شاید اب دنیا میں دوبارہ جنم نہ لے سکے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ خصوصی اوقات میں صحت کاملہ کے لئے دعا فرمائیں۔

عمید الرحمن عثمانی

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی مرحوم کی یاد میں

از محمد ثناء اللہ عمری ایم اے عثمانیہ

۱۹۵۸ء کا واقعہ ہے، راقم جامعہ دارالسلام عمرآباد کا طالب علم تھا، مضامین لکھنے اور ترجمہ کرنے کا شوق تھا، دو چار چیزیں اِدھر اُدھر چھپی بھی تھیں، کسی رسالہ میں علامہ جمال الدین افغانی مرحوم پر عربی میں ایک مضمون نظر پڑا، جو شام کے مشہور فاضل محمد علی کُرد مرحوم کے قلم سے تھا، میں نے اردو میں اس کا ترجمہ کر دیا اور "بُرہان" میں اس کی طباعت کی خاطر صاحب برہان مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ایم۔ اے کے نام دہلی کے پتہ پر مراسلت شروع کر دی، جواب مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کا لکھا ہوا جلد ہی وصول ہو گیا، یہ مولانا مرحوم کی ہستی سے میری غالباً پہلی شناسائی تھی، کچھ مدت تک یہ مراسلت جاری رہی اور میرے دل و دماغ پر مولانا کی شفقت کی چھاپ بیٹھ گئی ـــــ اب مولانا کا پہلا مکتوب گرامی ملاحظہ کیجئے:

(۱)

۱۳ر دسمبر ۱۹۵۸ء

محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کرم نامہ مولانا سعید احمد کے نام پہنچا، مولانا موصوف کا قیام کلکتہ میں ہے اور پتہ یہ ہے:

مولانا سعید احمد اکبرآبادی، پرنسپل کلکتہ مدرسہ، ۲۱ ویلزلی اسکوائر، کلکتہ ۱۶، مولانا وہبی سے "برہان" کے لئے "نظرات" تحریر فرماتے ہیں —— آپ کا مقالہ کتنے صفحوں پر مشتمل ہے؟ اس کا ترجمہ کسی دوسری جگہ تو نہیں شائع ہوا؟ مجھے یاد آتا ہے کہ کلکتہ کے کسی پرچہ میں "جمال الدین افغانی" پر دو قسطوں میں کوئی مضمون نکلا ہے وہ یہی مضمون تو نہیں؟ جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا "برہان" میں طبع شدہ مضمون شائع نہیں ہوتا، اگر آپ یہ مضمون "برہان" کے معیار و طریق کار کے مطابق خیال فرماتے ہیں تو بھیج دیجئے، امید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ فقط

والسلام۔

عتیق الرحمٰن عثمانی - ندوۃ المصنفین دہلی

جواب میں عرض کر دیا گیا کہ مضمون کہیں چھپا نہیں ہے، مضمون ملاحظہ کیجئے، بشرط پسند شائع کیجئے، مولانا مرحوم نے مضمون کی رسید ان الفاظ میں بھیجی:

(۲)

مکرمی، السلام علیکم

مضمون گرامی تھوڑی سی نظرثانی کا طالب ہے، موقع ملے تو دیکھوں، علامہ جمال الدین پر مضامین چھوڑ مستقل کتابیں ہیں، جیسے "آثار جمال الدین افغانی" (قاضی عبدالغفار مرحوم) مضامین تو کتنے ہی نکلے ہیں، اب بھی ہند و پاک کے اخباروں میں آ رہے ہیں، بہرحال نظرثانی کے بعد اشاعت کا فیصلہ کیا جائے گا، اغلب ہے کہ شائع ہوگا، امید کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ فقط

۵ر فروری ۵۹ء

والسلام

عتیق الرحمٰن عثمانی

ندوۃ المصنفین، دہلی